© rasailojaraid.com

حاصل ہو چکا ہے۔ شاید ابن تیمیہؒ کی قوت استدلال، داعیانہ جوش، کثرت معلومات و شواہد اور زور بیان نے ان کے نقطۂ نظر کو بہت سے حلقوں میں منوالیا ہے۔ مثال کے طور پر توہین رسالتؐ کی سزا کے معاملے میں آج دنیا میں ہر جگہ ابن تیمیہؒ ہی کی رائے کو قبول عام حاصل ہے۔ بہت سے لوگوں کو شاید یہ معلوم بھی نہیں کہ اس معاملے میں امام ابوحنیفہؒ اور احناف کی رائے کیا رہی ہے۔

ابن تیمیہؒ کے برعکس مولانا مودودیؒ کے افکار و خیالات کو قبول عام حاصل کرنے کے لیے نہ ۶۰۰ سال انتظار کرنا پڑا اور نہ ان کو کسی حکومتی سرپرستی کی ضرورت پڑی۔ ان کی زندگی ہی میں ان کے خیالات دنیاے اسلام میں ہر جگہ پہنچے، ہر ملک میں مقبول ہوئے اور ان کے اجتہادات و تفردات کو جوش و جذبے سے قبول کرنے والے بھی بڑی تعداد میں سامنے آئے۔ ابن تیمیہؒ کے افکار کے فروغ میں جو کردار حکومت سعودی عرب نے انجام دیا، وہی بلکہ اس سے بڑھ کر موثر کردار ان بے شمار دینی و ملی تحریکوں و تنظیموں نے انجام دیا جو مولانا مودودیؒ کے حلقے سے وابستہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں نوجوانوں نے دنیا کے کونے کونے میں قائم کیں۔ ابن تیمیہؒ کی طرح مولانا مودودیؒ کے افکار بھی دنیا میں اتنی تیزی سے پھیلے ہیں کہ ان کی چھاپ بیسویں صدی کے اسلامی اور دینی ادب پر نظرانداز نہیں کی جاسکتی۔

اپنی تمام عظمتوں اور تاثیر کے باوجود مولانا مودودیؒ ایک انسان تھے۔ دوسرے انسانوں کی طرح مولانا مودودیؒ اور ابن تیمیہؒ بھی ان تمام تحدیدات سے محدود اور ان تمام قیود کے پابند تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مقید اور محدود کیا ہے۔ نہ صرف ان دونوں کے بارے میں بلکہ تاریخ اسلام کی تمام عظیم شخصیتوں کے بارے میں محفوظ و مامون طرزعمل وہی ہے جس کی نشان دہی امام مالکؒ نے ساڑھے بارہ سو سال پہلے فرمائی تھی:

کل یوخذ من قولہ و یترک الا صاحب ھذا القبر صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ہر شخص کے اقوال کا ایک حصہ قابل قبول اور ایک حصہ ناقابل قبول ہے۔ اس باب میں صرف ایک ہی استثنا ہے اور وہ (روضۂ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اس صاحب قبر کا ہے۔

ہمارا رویہ ان دونوں شخصیتوں کے بارے میں یہی ہونا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاندانی منصوبہ بندی

طاقت اور مفادات کا عالمی کھیل

مصنفہ: الزبتھ لیاگن

عالمی آبادی میں اُتار چڑھاؤ کے حالیہ رجحانات جو سفید فام نسل کے مسلسل سکڑتے حجم کا پتا دیتے ہیں۔ مغرب اور بالخصوص امریکا کے مقتدر حلقوں اور پالیسی سازوں کے لیے کئی دہائیوں سے شدید فکر اور پریشانی کا باعث ہیں۔ اس تناظر میں یہ کتاب ہمہ گیر اور ہمہ جہت منصوبوں کی تشکیل اور اُن پر عمل درآمد کی ایک ہولناک کہانی ہے جسے الزبتھ لیاگن اور اُن کے ساتھیوں کی برسوں پر پھیلی ہوئی عرق ریز تحقیق سامنے لا رہی ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، نصر چیمبرز، بلاک 19، مرکز F-7، اسلام آباد۔ فون: 3-2650971

تقسیم کنندہ: کتاب سرائے، فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: 7320318

22/(2/2)2102

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرے میں تبدیلی کا وژن

ثروت جمال اصمعی ○

مولانا مودودیؒ انسانی معاشرے میں جس تبدیلی کے داعی تھے‘ جن وجوہ سے وہ اسے انسانیت کی خیروفلاح کے لیے ناگزیر سمجھتے تھے‘ اور اس کے لیے جو طریق کار ان کی نگاہ میں درست تھا‘ اس کی پوری تفصیل ان کے چھوڑے ہوئے تحریری و تقریری سرمایے میں محفوظ ہے۔ اس کا جائزہ لے کر کوئی بھی بآسانی جان سکتا ہے کہ معاشرے میں تبدیلی کے لیے مولانا مودودیؒ کا وژن کیا تھا۔

عین عالم جوانی سے وہ انسانی معاشرے میں جس تبدیلی کے داعی اور اس کے لیے جس طریق کار کے علم بردار بن کر اٹھے تھے‘ زندگی کے آخری لمحات تک اس حوالے سے ان کی فکر میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ ان کے تحریری کام اور عملی جدوجہد کا سلسلہ اگرچہ نصف صدی سے زیادہ مدت پر پھیلا ہوا ہے‘ اس کے باوجود اس میں مکمل ہم آہنگی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی جدوجہد کے آغاز سے پہلے رائج الوقت افکار و نظریات اور قرآن و سنت کا گہرا مطالعہ کیا‘ اور پھر خوب سوچ سمجھ کر اپنے مقصد زندگی کی بنیاد کاملاً قرآن و سنت پر رکھی اور اس میں کسی ملاوٹ اور مداہنت سے قطعی مجتنب رہے۔ چنانچہ جو کچھ انھوں نے ۳۵ سال کی عمر میں لکھا‘ ۷۰ سال کی عمر میں بھی انھیں اس میں کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہیں پڑی۔ ان کے کسی دور کی تحریر اٹھا کر

○ رکن مجلس ادارت ہفت روزہ ’اخبارِ جہاں‘ کراچی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھ لیجیے، ان کی بنیادی فکر میں مکمل یکسانیت ملے گی۔

ذیل میں ان کے افکار کی روشنی میں یہ جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے کہ معاشرے میں جس تبدیلی کی جدوجہد انھوں نے شروع کی تھی، اس کی تفصیلات ان کی نگاہ میں کیا تھیں۔

○ **ظلم و استحصال سے پاک نئی دنیا کی تعمیر:** مولانا مودودیؒ انسانی معاشرے میں جو تبدیلی لانا چاہتے تھے، اس پر روشنی ڈالتے ہوئے جولائی ۱۹۳۹ء کے ترجمان القرآن میں ''تعارف مقصد'' کے عنوان سے لکھتے ہیں: ''اگر اسلام صرف اسی مذہب کا نام ہوتا جو اس وقت مسلمانوں میں پایا جاتا ہے تو شاید میں بھی آج ملحدوں اور لامذہبوں میں جاملا ہوتا۔ لیکن جس چیز نے مجھے الحاد کی راہ پر جانے یا کسی دوسرے اجتماعی مسلک کو قبول کرنے سے روکا اور ازسرنو مسلمان بنایا وہ قرآن اور سیرت محمدیؐ کا مطالعہ تھا۔ اس نے مجھے انسانیت کی اصل قدر و قیمت سے آگاہ کیا۔ اس نے آزادی کے اس تصور سے مجھے روشناس کرایا جس کی بلندی تک دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انقلابی اور لبرل کا تصور بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس نے انفرادی حسن سیرت اور اجتماعی عدل کا ایسا نقشہ میرے سامنے پیش کیا، جس سے بہتر کوئی نقشہ میں نے نہیں دیکھا۔ اس کے تجویز کردہ لائحہ زندگی میں مجھے ویسا ہی کمال درجے کا توازن نظر آیا جیسا ایک سالمے (atom) کی بندش سے لے کر اجرام فلکی کے قانونِ جذب و کشش تک ساری کائنات کے نظم میں پایا جاتا ہے''۔

اس کے بعد کہتے ہیں: ''میں صرف غیر مسلموں ہی کو نہیں بلکہ خود مسلمانوں کو بھی اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اور اس دعوت سے میرا مقصد اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کو باقی رکھنا اور بڑھانا نہیں ہے جو خود ہی اسلام کی راہ سے بہت دور ہٹ گئی ہے، بلکہ یہ دعوت اس بات کی طرف ہے کہ آؤ اس ظلم اور طغیان کو ختم کر دیں جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ انسان پر سے انسان کی خدائی کو مٹا دیں''۔ (تحریکِ آزادیٔ ہند اور مسلمان، ج ۲، ص ۲۴-۲۵)

''انسان پر سے انسان کی خدائی کا خاتمہ اور قرآن کی بنیاد پر ظلم اور بے انصافی سے پاک ایک نئی دنیا کی تعمیر'' --- یہ ہے وہ تبدیلی جس کی دعوت لے کر مولانا مودودیؒ اٹھے تھے۔

○ **خرابی کی جڑ:** انسانی دنیا میں بار بار رونما ہونے والے فساد و انتشار کے اصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سبب اور اس کے ازالے کے لیے مطلوب اس تبدیلی کی مزید تشریح کرتے ہوئے مئی، جون ۱۹۴۰ء کے ترجمان القرآن میں ''اسلام کی دعوت اور مسلمانوں کا نصب العین'' کے عنوان سے لکھتے ہیں: ''دنیا میں جہاں جو خرابی پائی جاتی ہے اس کی جڑ صرف ایک چیز ہے، اور وہ ہے اللہ کے سوا کسی اور کی حاکمیت تسلیم کرنا۔ یہی ام الخبائث ہے۔ اسی سے وہ شجرِ خبیث پیدا ہوتا ہے جس کی شاخیں پھیل پھیل کر انسانوں پر مصیبتوں کے زہریلے پھل ٹپکاتی ہیں۔ یہ جڑ جب تک باقی ہے، آپ شاخوں کی جتنی چاہیں قطع و برید کرلیں، بجز اس کے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا کہ ایک طرف سے مصائب کا نزول بند ہو جائے اور دوسری طرف سے شروع ہو جائے''۔ (ایضاً، ص ۹۴)

○ **فلاح وسعادت کی واحد راہ**: پھر اسی سلسلۂ گفتگو میں انسانی معاشرے کے مسائل کے مستقل حل کی نشان دہی اس طرح کرتے ہیں: ''انسانی زندگی کو حقیقی فلاح وسعادت سے ہم کنار کرنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ غیراللہ کی حاکمیت سے کلیتاً انکار کیا جائے اور اس کی حاکمیت تسلیم کی جائے جو فی الواقع مالک الملک ہے...... ہر اس حکومت کے حق حکمرانی کو ماننے سے انکار کر دیا جائے جس میں انسان بذات خود حاکم اور صاحبِ امر و نہی ہونے کا مدعی ہو، اور صرف اس حکومت کو جائز قرار دیا جائے جس میں انسان اصلی اور حقیقی حاکم کے ماتحت خلیفہ ہونے کی حیثیت قبول کرے۔ یہ بنیادی اصلاح جب تک نہ ہوگی، جب تک انسان کی حاکمیت، خواہ کسی شکل اور کسی نوعیت کی ہو، جڑ پیڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دی جائے گی، اور جب تک انسانی حاکمیت کے غیرواقعی تصور کی جگہ خلافت الٰہی کا واقعی (realistc) تصور نہ لے لے گا، اس وقت تک انسانی تمدن کی بگڑی ہوئی کل کبھی درست نہ ہو سکے گی، چاہے سرمایہ داری کی جگہ اشتراکیت قائم ہو جائے یا ڈکٹیٹرشپ کی جگہ جمہوریت متمکن ہو جائے، یا امپیریلزم کی جگہ قوموں کی حکومتِ خود اختیاری کا قاعدہ نافذ ہو جائے۔ صرف خلافت ہی کا نظریہ انسان کو امن دے سکتا ہے۔ اسی سے ظلم مٹ سکتا اور عدل قائم ہو سکتا ہے، اور اسی کو اختیار کر کے انسان اپنی قوتوں کا صحیح مصرف اور اپنی سعی و جہد کا صحیح رخ پا سکتا ہے''۔ (ایضاً، ص ۹۸)

○ **اسلام: انسانیت کی فلاح کا علم بردار**: اسی سلسلۂ بیان میں مزید کہتے ہیں: ''اسلام انسانی زندگی میں یہی بنیادی اصلاح کرنے آیا ہے۔ اس کو کسی ایک قوم سے دل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چسپی اور کسی دوسری قوم سے عداوت نہیں ہے کہ ایک کو چڑھانا اور دوسری کو گرانا اس کا مقصود ہو، بلکہ اسے تمام نوع انسانی کی فلاح و سعادت مطلوب ہے جس کے لیے وہ ایک عالم گیر کلیہ و ضابطہ پیش کرتا ہے۔ وہ ایک تنگ زاویے سے کسی خاص ملک یا کسی خاص گروہ انسانی کو نہیں دیکھتا، بلکہ وسیع نظر سے تمام روے زمین کو اس کے تمام باشندوں سمیت دیکھتا ہے، اور چھوٹے چھوٹے وقتی حوادث اور مسائل سے بالاتر ہو کر ان اصولی و بنیادی مسائل کی طرف توجہ کرتا ہے جن کے حل ہو جانے سے تمام زمانوں اور تمام حالات و مقامات میں سارے فروعی و ضمنی مسائل آپ سے آپ حل ہو جاتے ہیں''۔ (ایضاً، ص ۹۹)

○ **جدوجہد کا درست طریق کار:** انسانی معاشرے میں یہ بنیادی تبدیلی جس کی دعوت لے کر مولانا مودودیؒ اٹھے، بندگیِ رب کی عین وہی دعوت ہے جس کے لیے تاریخ کے ہر دور میں انبیا مبعوث کیے جاتے رہے۔ لہٰذا اس تبدیلی کے لیے درست طریق کار بھی وہی ہو سکتا ہے جو اللہ کے رسولوں نے ہر زمانے میں اختیار کیا، یعنی تمام وقتی اور مقامی مسائل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے تمام انسانوں کو براہ راست اللہ کی حاکمیت تسلیم کرنے کی دعوت دینا۔ مولانا مودودیؒ اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ جو لوگ آج اس دعوت کو لے کر اٹھیں انھیں بھی وقت کے فروعی مسائل، قومی حقوق کے جھگڑوں، سیاسی قضیوں اور معاشی تنازعوں سے بالاتر ہو کر اپنی پوری توجہ دنیا کے سارے انسانوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینے اور غیر اللہ کی حاکمیت ختم کرنے پر صرف کرنی چاہیے، کیونکہ انسانی معاشرے میں اس تبدیلی کو برپا کرنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔

ہندستان کی آزادی کی تحریک کے دوران مسلمان قائدین اس بنیادی کام کے بجاے جن مسائل میں الجھے ہوئے تھے، ان کا ذکر کرتے ہوئے اسی سلسلۂ تحریر میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں: ''مغربی طرز کے لیڈروں پر تو چنداں حیرت نہیں کہ ان بے چاروں کو قرآن کی ہوا تک نہیں لگی ہے، مگر حیرت اور ہزار حیرت ہے ان علماے کرام پر جن کا رات دن کا مشغلہ ہی 'قال اللہ و قال الرسول' ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ قرآن کو کس نظر سے پڑھتے ہیں کہ ہزار بار پڑھنے کے بعد بھی انھیں اس قطعی اور دائمی پالیسی کی طرف ہدایت نہیں ملتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو مسلمانوں کے لیے اصولی طور پر مقرر کر دی گئی ہے۔ جن مسائل کو انھوں نے اہم اور اقدم قرار دے رکھا ہے، قرآن میں ہم کو ان کی فروعی اور ضمنی اہمیت کا نشان بھی نہیں ملتا۔ برعکس اس کے قرآن میں ہم دیکھتے ہیں کہ نبی پر نبی آتا ہے اور ایک ہی بات کی طرف اپنی قوم کو دعوت دیتا ہے: یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ، خواہ بابل کی سرزمین ہو یا ارضِ سدوم، یا ملک مدین، یا حجر کا علاقہ، یا نیل کی وادی، خواہ وہ چالیسویں صدی قبل مسیح ہو یا بیسویں یا دسویں، خواہ وہ غلام قوم ہو یا آزاد، خستہ و درماندہ ہو یا تمدنی و سیاسی حیثیت سے بام عروج پر۔ ہر جگہ، ہر دور میں، ہر قوم میں، اللہ کی طرف سے آنے والے رہنماؤں نے انسان کے سامنے ایک ہی دعوت پیش کی، اور وہ یہ تھی کہ: اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے''۔ (ایضاً، ص ۱۰۴-۱۰۵)

○ **اُمُّ المسائل :غیر اللہ کی حاکمیت:** اس کے بعد متعدد انبیا علیہم السلام کی اقوام کو درپیش سیاسی و معاشی مسائل کا حوالہ دینے کے بعد کہتے ہیں: ''یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جن ملکوں اور قوموں میں انبیا علیہم السلام آئے ان میں سرے سے کوئی سیاسی، معاشی، تمدنی مسئلہ حل طلب تھا ہی نہیں جس کی طرف توجہ کی ضرورت ہوتی۔ پس جب یہ واقعہ ہے کہ اسلامی تحریک کے ہر رہنما نے ہر ملک اور ہر زمانے میں تمام وقتی اور مقامی مسائل کو نظرانداز کر کے اسی ایک مسئلے کو آگے رکھا اور اسی پر اپنا سارا زور صرف کیا تو اس سے صرف یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ مسئلہ اُمُّ المسائل تھا اور وہ اسی کے حل پر زندگی کے تمام مسائل کا حل موقوف سمجھتے تھے''۔ (ایضاً، ص ۱۰۶)

اسی سلسلۂ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اب یا تو یہ کہہ دیجیے کہ اسلامی تحریک کے وہ رہنما جو خدا کی طرف سے آئے تھے، سب کے سب عملی سیاسیات سے نابلد تھے، نہ جانتے تھے کہ انسانی زندگی کے معاملات میں کون سی چیز مقدم اور کون سی مؤخر ہونی چاہیے، اور انھیں خبر نہ تھی کہ آزادی کے لیے جدوجہد کس طرح کی جاتی ہے، اور ملکی معاملات کو حل کرنے کی کیا تدبیریں ہیں۔ یا پھر یہ تسلیم کیجیے کہ اِس دور میں جو حضرات اسلام کے نمایندے اور مسلمانوں کے قائد و رہنما بنے ہوئے ہیں، وہ جزئیات شرع پر کتنا ہی عبور رکھتے ہوں، بہرحال اسلامی تحریک کے مزاج کو نہیں سمجھتے اور نہیں جانتے کہ اس تحریک کو چلانے اور آگے بڑھانے کا طریقہ کیا ہے''۔ (ایضاً، ص ۱۰۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

○ **انبیا کا راستہ ھی مسلمانوں کا راستہ ھے:** اس پوری بحث سے یہ حتمی نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ انسانی معاشرے میں حقیقی خیر وفلاح کی حامل تبدیلی لانے کی جدوجہد کرنے والوں کو وہی طریق کار اختیار کرنا ہوگا جو ہر دور میں اس تحریک کے اصل رہنماؤں، یعنی اللہ کے نبیوں نے اس کی ہدایت کی پیروی کرتے ہوئے اختیار کیا۔ چنانچہ کہتے ہیں: ''تمام مسلمانوں کو جان لینا چاہیے کہ بحیثیت ایک مسلم جماعت ہونے کے ہمارا تعلق اُس تحریک سے ہے جس کے رہبرورہنما انبیا علیہم السلام تھے۔ ہر تحریک کا ایک خاص نظامِ فکر اور ایک خاص طریق کار ہوتا ہے۔ اسلام کا نظامِ فکر اور طریق کار وہ ہے جو ہم کو انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں میں ملتا ہے۔ ہم خواہ کسی ملک اور کسی زمانے میں ہوں، اور ہمارے گردوپیش مسائل و معاملات خواہ کسی نوعیت کے ہوں، ہمارے لیے مقصد اور نصب العین وہی ہے جو انبیا کا تھا اور اس منزل تک پہنچنے کا راستہ وہی ہے جس پر انبیا ہر زمانے میں چلتے رہے: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ (الانعام ۶:۹۰)۔ ہمیں زندگی کے سارے معاملات کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے جس سے انھوں نے دیکھا۔ ہمارا معیارِ قدر وہی ہونا چاہیے جو ان کا تھا، اور ہماری اجتماعی پالیسی انھی خطوط پر قائم ہونی چاہیے جن پر انھوں نے قائم کی تھی۔ اس مسلک کو چھوڑ کر اگر ہم کسی دوسرے مسلک کا نظریہ اور طرزِ عمل اختیار کریں گے تو گمراہ ہوجائیں گے۔

یہ بات ہمارے مرتبے سے فروتر ہے کہ ہم اس تنگ زاویے سے دنیا پر نگاہ ڈالیں جس سے ایک قوم پرست، یا ایک جمہوریت پسند، یا ایک اشتراکی اس کو دیکھتا ہے۔ جو چیزیں ان کے لیے بلند ترین منتہائے نظر ہیں وہ ہمارے لیے اتنی پست ہیں کہ ادنیٰ التفات کی بھی مستحق نہیں۔ اگر ہم ان کے سے رنگ ڈھنگ اختیار کریں گے، انھی کی زبان میں باتیں کریں گے اور انھی گھٹیا درجے کے مقاصد پر زور دیں گے جن پر وہ فریفتہ ہیں، تو اپنی وقعت کو ہم خود ہی خاک میں ملادیں گے...... تعداد کی بنا پر اکثریت و اقلیت کے نوحے، یہ تحفظات اور حقوق کی چیخ و پکار--- یہ بولیاں بول کر ہم خود ایک غلط حیثیت اختیار کرتے ہیں اور اپنی حیثیت اس قدر غلط طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں...... [حالانکہ] خدا نے ہمیں اس سے بہت اونچا منصب دیا ہے۔ ہمارا منصب یہ ہے کہ ہم کھڑے ہوکر تمام دنیا سے غیراللہ کی حاکمیت مٹادیں اور خدا کے بندوں پر خدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سوا کسی کی حاکمیت باقی نہ رہنے دیں...... اس منصب کو ادا کرنے کے لیے کسی قسم کی خارجی شرائط درکار نہیں، بلکہ صرف شیر کا دل درکار ہے"۔ (ایضاً، ص ۱۰۶-۱۰۸)

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ مولانا مودودیؒ دنیا میں اسی معاشرتی تبدیلی کی دعوت لے کر اٹھے تھے، جس کے لیے انبیا کرام دنیا میں بھیجے گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کو بتایا کہ اسی تبدیلی کی جدوجہد دنیا میں ان کا مشن ہے اور اس کا طریق کار وہی ہے جو اللہ کے رسولوں نے اپنے ادوار میں اختیار کیا، اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہر زمانے کے لیے اسی نہج پر پھیلانا اور تبدیلی لانے کی کوشش کرنا ہر مسلمان مرد و زن پر لازم ہے۔

○ **اسباب اور وسائل کا مسئلہ**: ان کے اس مطالبے پر جب یہ سوال اٹھایا گیا کہ اس کام کو آخر اس حالت میں کیسے شروع کیا جاسکتا ہے کہ مسلمان دنیاوی وسائل کے اعتبار سے اپنے حریفوں سے کہیں پیچھے ہیں۔ اس لیے کیا یہ ضروری نہیں کہ اس جدوجہد کو شروع کرنے سے پہلے مسلمان دنیاوی اسباب سے مالامال اپنے حریفوں سے مقابلہ کرنے کے لیے پہلے خود بھی ان کے ہم پلہ بن جائیں اور اپنے آپ کو بحیثیت قوم منظم کرلیں، تو مولانا مودودیؒ نے کہا: "حقیقت یہ ہے کہ جن مشکلات کا یہ لوگ ذکر کرتے ہیں ان میں قطعاً کوئی وزن نہیں، بلکہ خود یہی بات کہ حکومت الٰہیہ کے راستے میں انھیں اس نوعیت کی مشکلات نظر آتی ہیں، اس امر کا صریح ثبوت ہے کہ انھوں نے اسلامی تحریک کے مزاج اور اس کے طریق کار کو سرے سے سمجھا ہی نہیں۔ زیادہ گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر اس تحریک کی تاریخ ہمارے سامنے ہو تو بادی النظر ہی میں ان عذرات کی غلطی نمایاں ہوجاتی ہے"۔ (ایضاً، ص ۱۱۱)

"اصلی مسلمانوں کے لیے ایک ہی راہ عمل" کے عنوان سے ترجمان القرآن کے جولائی ۱۹۴۰ء کے شمارے میں چھپنے والے اس مضمون میں جو اَب تحریک آزادی ہند اور مسلمان کے دوسرے حصے میں موجود ہے، اس نکتے کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی رسول آیا ہے، اکیلا ہی آیا ہے۔ اقلیت و اکثریت کا کیا سوال، وہاں سرے سے کوئی "مسلمان قوم" ہی موجود نہ تھی۔ ایک نئی قوم بلکہ ایک نئی دنیا کی حیرت انگیز اقلیت کے ساتھ رسول یہ دعویٰ لے کر اٹھتا ہے کہ میں زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کرنے آیا ہوں۔ چند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گنے چنے آدمی اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں' اور یہ آٹے میں نمک سے بھی کم اقلیت' حکومت الٰہیہ کے لیے جدوجہد کرتی ہے...... بارہا وہ اس مقصد میں ناکام ہوئے ہیں۔ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا' اور خدائی کے جھوٹے مدعیوں نے اپنی دانست میں اس تحریک کا قلع قمع کر کے چھوڑا۔ مگر اس کے باوجود جو لوگ اللہ پر ایمان لائے تھے اور جن کے نزدیک کرنے کا کام بس یہی تھا' انھوں نے آخری سانس تک بس اسی مقصد کے لیے کام کیا' اور کسی ایک نے بھی اکثریت کا یا حکومت کا رنگ دیکھ کر' یا وقتی اور مقامی مشکلات کا خیال کر کے دوسرے راستوں کی طرف ادنیٰ التفات تک نہ کیا۔

پس یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس تحریک کو اٹھانے اور چلانے کے لیے خارج میں کسی سامان اور ماحول میں کسی سازگاری کی ضرورت ہے۔ جس سامان اور جس سازگار ماحول کو یہ لوگ ڈھونڈتے ہیں وہ نہ کبھی فراہم ہوا ہے نہ کبھی فراہم ہوگا۔ دراصل خارج میں نہیں بلکہ مسلمان کے اپنے باطن میں ایمان کی ضرورت ہے۔ اس قلبی شہادت کی ضرورت ہے کہ یہی مقصد حق ہے' اور اس عزم کی ضرورت ہے کہ میرا جینا اور مرنا اسی مقصد کے لیے ہے۔ یہ ایمان' یہ شہادت' یہ عزم موجود ہو تو دنیا بھر میں ایک اکیلا انسان یہ اعلان کرنے کے لیے کافی ہے کہ میں زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کرنا چاہتا ہوں''۔ (ایضاً' ص ۱۱۱-۱۱۲)

○ **اصولی تحریک کی طاقت:** اسی تحریر میں اس امر کی صراحت کے بعد کہ مسلمان ایک قوم نہیں جس کی دل چسپیوں کا میدان صرف ان کی قوم ہو' بلکہ ایک عالمی نظریاتی جماعت ہیں اور ان کا نظریہ پوری انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے۔ یہ وضاحت کرتے ہوئے کہ ایسا نظریہ رکھنے والی جماعت حالات کی تمام تر ناسازگاری کے باوجود پوری انسانی برادری کے دل جیت لینے کی صلاحیت رکھتی ہے' مولانا مودودیؒ کہتے ہیں:

> دراصل ایک ملک پر نہیں بلکہ ساری دنیا پر چھا جانے کی قوت اگر ہے تو وہ صرف ایک ایسی اصولی تحریک میں ہے جو انسان کو بحیثیت انسان خطاب کرتی ہو' اور اس کے سامنے خود اس کی اپنی فلاح کے فطری اصول پیش کرتی ہو۔ قومیت کے برعکس ایسی تحریک ایک تبلیغی طاقت ہوتی ہے۔ قومیت کے حصار' نسلوں کے تعصّبات' قومی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ریاستوں کے مضبوط بند، کوئی چیز بھی اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ وہ ہر طرف، ہر جگہ نفوذ کرتی چلی جاتی ہے۔ اس کی طاقت کا انحصار اپنے پیروؤں کی تعداد یا ان کے وسائل پر نہیں ہوتا۔ ایک اکیلا آدمی اس کو اٹھانے کے لیے کافی ہے۔ پھر وہ خود اپنے اصولوں کی طاقت سے آگے بڑھتی ہے۔ وہ اپنے دشمنوں میں سے دوست پیدا کرتی ہے۔ سب قوموں کے آدمی ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے جھنڈے کے نیچے آنے لگتے ہیں اور وسائل اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ جو فوجیں اس سے لڑنے آتی ہیں، ان پر وہ اپنے اصولوں کے تیر بھی چلاتی ہے۔ خون کے پیاسے دشمنوں میں سے وہ اپنے سرگرم حامی ڈھونڈ نکالتی ہے۔ سپاہی، جنرل، ماہرین فنون، سرمایہ دار، صناع اور کاریگر، سب انھی میں سے اس کو مل جاتے ہیں، اور بے سروسامانی میں ہر قسم کا سامان نکلتا چلا آتا ہے۔ قومیتیں اس کے سیلاب کے مقابلے میں کبھی نہیں ٹھیر سکتیں۔ بڑے بڑے پہاڑ اس کے سامنے آتے ہیں اور نمک کی طرح پگھل پگھل کر اس آبِ رواں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ اس کے لیے اقلیت و اکثریت کے سارے سوالات بے معنی ہیں۔ وہ اس کی ہرگز محتاج نہیں ہوتی کہ کسی منظم اور باوسیلہ قوم کی طاقت اس کی پشت پر ہو۔ وہ قومی حکومت قائم کرنے نہیں اُٹھتی کہ قومیں اس کی مزاحمت کرسکیں۔ اسے تو ایک ایسے اصول کی حکومت قائم کرنی ہوتی ہے جو سب قوموں کے لوگوں کی فطرت کو اپیل کرتا ہو۔ جاہلی تعصّبات کچھ دیر تک اس سے لڑتے رہتے ہیں مگر جب فطرتِ انسانی پر لگا ہوا زنگ چھوٹتا ہے تو وہ کیفیت ہوتی ہے کہ ؎

همه آهوانِ صحرا سرِ خود نهاده بر کف
بامید آنکه روزے به شکار خواهی آمد

[صحرا کے تمام ہرن اپنے سر ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں، اس امید پر کہ کسی دن وہ شکار کرنے تو آئے گا۔]

○ **اسلامی تحریک اور قومی حقوق کے جھگڑے**: جغرافیائی، نسلی یا لسانی رشتوں کی بنیاد پر بننے والی قوم کے مقابلے میں ایک آفاقی نظریے پر تشکیل پانے والی جماعت کی قوت اور دائرۂ اثر کی اس تشریح اور مسلمانوں کو اس کے مطابق ایک جماعت قرار دینے کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں: ''اگر...... مسلمانوں کی اصل حیثیت ایک عالم گیر اصولی تحریک کے پیروؤں اور داعیوں کی ہے تو وہ سارے مسائل یک قلم اُڑ جاتے ہیں جن پر اب تک مسلمانوں کے سیاسی و مذہبی رہنما وقت ضائع کرتے رہے ہیں.......... نہ ہمارا کوئی قومی جھگڑا ہے، نہ [متحدہ] وطنیت کی بنیاد پر ہماری لڑائی ہے، نہ ان ریاستوں سے ہمارا کوئی رشتہ ہے جہاں نام نہاد مسلمان خدا بنے بیٹھے ہیں، نہ اقلیت کی حیثیت سے اپنے تحفظ کی ہمیں ضرورت ہے، نہ اکثریت کی بنیاد پر اپنی قومی حکومت ہمیں مطلوب ہے۔ ہمارے سامنے تو صرف ایک مقصد ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے سوا کسی کے محکوم نہ ہوں۔ بندوں کی حاکمیت ختم ہوجائے اور حکومت اس قانونِ عدل کی قائم ہو جو اللہ نے خود بھیجا ہے۔ اس مقصد کو ہم انگریز، ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی اور مردم شماری کے مسلمان، سب کے سامنے پیش کریں گے، جو اسے قبول کرے گا وہ ہمارا رفیق ہے اور جو اس سے انکار کرے گا اس سے ہماری لڑائی ہے بلالحاظ اس کے کہ اس کی طاقت کتنی ہے اور ہماری کتنی''۔ (ایضاً، ص ۱۱۷-۱۱۸)

اس وضاحت کے بعد کہ پوری انسانیت کی فلاح کی علم بردار ایک عالم گیر اصولی تحریک کے داعیوں کی حیثیت سے مسلمانوں کا دنیا کی دوسری اقوام کے ساتھ مادّی مفادات کا کوئی جھگڑا نہیں ہے، اس حیثیت کے عملی تقاضوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں: ''یہ حیثیت اختیار کرنے اور اس تحریک کو لے کر اٹھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے شخصی اور قومی مفاد اور اغراض کو بھول جائیں، تمام تعصبات سے بالاتر ہوجائیں، اور چھوٹی چھوٹی چیزوں سے نظر ہٹالیں جن سے ہمارے حقیر دُنیوی فوائد کا تعلّق ہے...... اگر ہم نام نہاد مسلم قوم کے تعصب میں مبتلا ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندو یا سکھ یا عیسائی کے دل کا دروازہ ہماری پکار کے لیے کھل جائے۔ اگر ہم [نام کی مسلم] ریاستوں کی حمایت محض اس لیے کریں کہ ان کے [حکمران] مسلمان ہیں اور ان سے مسلمانوں کو کچھ معاشی سہارا مل جاتا ہے، تو کوئی احمق ہی ہوگا جو اس کے بعد بھی یہ باور کرلے گا کہ ہم اسلام کے نظریۂ سیاسی پر ایمان رکھتے ہیں اور واقعی حکومت الٰہی قائم کرنا ہمارا نصب العین ہے''۔ (ایضاً، ص ۱۱۸)

○ **جماعت اسلامی کا مقصود: فلاحِ انسانیت:** اس فرق کو پوری طرح جاننے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کا نتیجہ تھا کہ اگست ۱۹۴۱ء میں جب مولانا مودودیؒ کی اس دعوت پر پورے ہندستان سے لبیک کہنے والے ۷۵ افراد پر مشتمل جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو مولانا مودودیؒ نے اپنی تاسیسی تقریر میں واضح کر دیا کہ یہ جماعت دنیا بھر کے انسانوں کی فلاح کے لیے اٹھی ہے۔ اُس دور میں مسلمانوں کی جو دوسری تنظیمیں موجود تھیں، ان کے مقابلے میں جماعت اسلامی کے امتیاز پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے کہا:

> ان تحریکوں کی نظر صرف [مقامی] مسلم قوم تک محدود رہی ہے۔ کسی نے وسعت اختیار کی تو زیادہ سے زیادہ بس اتنی کہ دنیا کے مسلمانوں تک نظر پھیلا دی۔ مگر بہرحال یہ تحریکیں صرف ان لوگوں تک محدود رہیں جو پہلے سے ''مسلم قوم'' میں شامل ہیں، اور ان کی دل چسپیاں بھی انھی مسائل تک محدود رہیں، جن کا تعلّق مسلمانوں سے ہے۔ ان کے کاموں میں کوئی چیز ایسی شامل نہیں رہی ہے، جو غیر مسلموں کو اپیل کرنے والی ہو، بلکہ بالفعل ان میں سے اکثر کی سرگرمیاں غیر مسلموں کے اسلام کی طرف آنے میں الٹی سدراہ بن گئی ہیں۔ لیکن ہمارے لیے چونکہ خود اسلام ہی تحریک ہے اور اسلام کی دعوت تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ہے، لہٰذا ہماری نظر کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک کے وقتی مسائل میں الجھی ہوئی نہیں ہے، بلکہ پوری نوع انسانی اور سارے کرۂ زمین پر وسیع ہے۔ تمام انسانوں کے مسائل زندگی ہمارے مسائل زندگی ہیں، اور اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت سے ہم ان مسائل زندگی کا وہ حل پیش کرتے ہیں، جس میں سب کی فلاح اور سب کے لیے سعادت ہے۔ (روداد جماعت اسلامی، حصہ اول، ص ۱۱)

○ **اسلامی تحریکیں اور غیر مسلموں میں دعوت؟** یہاں اہم سوال یہ ابھرتا ہے کہ اسلامی تحریک کی آفاقی حیثیت کا اتنا واضح شعور موجود ہونے کے باوجود جماعت اسلامی سمیت عالمی اسلامی انقلاب کی داعی کوئی بھی تحریک آخر آج بالفعل پوری دنیا کے انسانوں کو یکساں طور پر مخاطب کرتی اور مسلمانوں کے وقتی اور مقامی مسائل اور مختلف قوموں کے ساتھ ان کے قومی حقوق اور مفادات کے جھگڑوں سے بالاتر رہتے ہوئے، مکمل غیر جانب داری کے ساتھ دنیا کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام انسانوں کو بندگی رب کی وہ دعوت دیتی کیوں دکھائی نہیں دیتی' جو خاتم الانبیاؐ کی امت کی حیثیت سے مسلمانوں کا اصل مشن ہے؟ برائے نام مستثنیات کو چھوڑ کر ان کا سارا کام صرف نسلی مسلمانوں تک کیوں محدود ہے؟ عملاً ان کی ساری دل چسپیاں صرف مسلمانوں کے مفادات کے گرد کیوں گھومتی ہیں؟ اور خیر خواہی کے سچّے جذبے کے ساتھ غیر مسلم دنیا کو دوزخ سے بچا کر جنت میں لے جانے کی کوئی واضح فکر اور اس کے لیے عملی کوشش ان کے ہاں کیوں نظر نہیں آتی؟

○ **ماڈل اسلامی ریاست کے قیام کی حکمت عملی:** ہماری عاجزانہ رائے میں کم از کم پاکستان کی حد تک اسلامی تحریک کے عملی رویے میں یہ فرق آزادی کے بعد ساری توجہات کے اس بات پر مرتکز ہو جانے کی وجہ سے رونما ہوا کہ پہلے پاکستان کو ایک ماڈل اسلامی ریاست بنایا جائے اور اس کے بعد پوری دنیا کو اسلام کی دعوت عام دینے کا سلسلہ شروع کیا جائے' کیونکہ جب ایک نمونے کی اسلامی ریاست موجود ہوگی تو پوری دنیا اسلام کے نظام عدل و رحمت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گی اور اس کے لیے دلوں کے دروازے خود بخود کھلتے چلے جائیں گے۔ یہ کوئی غیر شعوری رویہ نہیں تھا' بلکہ سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت اسے اختیار کیا گیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۷۰ء میں پاکستان میں ہونے والے پہلے عام انتخابات کے موقع پر جماعت اسلامی کے انتخابی منشور کے دیباچے میں یہ بات ان لفظوں میں کہی گئی ہے:

> یہ جماعت کوئی قوم پرست یا وطن پرست جماعت نہیں ہے بلکہ اس کا نظریۂ حیات عالم گیر ہے اور پوری انسانیت کی فلاح اس کے پیش نظر ہے' مگر وہ یقین رکھتی ہے کہ جب تک ہم خود اپنے ملک کو اسلامی نظام کا مثالی نمونہ نہ بنا دیں' اور جب تک ہم یہ ثابت نہ کر دیں کہ جس حق و صداقت پر ہم ایمان کا دعویٰ کر رہے ہیں اس پر خود بھی عمل کر رہے ہیں' اور جب تک ہم یہ نہ دکھا دیں کہ اس پر عمل کرنے کے کیسے بہتر نتائج ہمارے ملک میں برآمد ہوئے ہیں' اس وقت تک ہم دنیا کو اس کے حق اور صداقت ہونے کا قائل نہیں کر سکتے۔

اسی مقصد کے لیے جماعت نے قرارداد مقاصد کی منظوری کے نتیجے میں پاکستان کے اصولی طور پر اسلامی ریاست قرار پا جانے کے بعد انتخابی سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ تاہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتخابات میں حصہ لینے کا اصل مقصد اس ذریعے سے اپنی دعوت لوگوں تک پہنچانا تھا اور مقصود یہ تھا کہ مسلسل انتخابی عمل بالآخر لوگوں میں بھلے برے کا شعور پیدا کر دے گا اور معاشرہ اس تبدیلی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو جائے گا جو جماعت اسلامی کو مطلوب ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب تحریک اسلامی کا آیندہ لائحۂ عمل میں انتخابی سیاست میں شرکت کی یہی حکمت بتائی ہے۔

○ **پایدار انقلاب کی بنیاد:** سیاسی جوڑ توڑ یا کسی اور شارٹ کٹ کے ذریعے معاشرے کو ذہنی طور پر تیار کیے بغیر اقتدار کا حصول کبھی ان کے پیش نظر نہ تھا۔ یہ بات وہ ہر اس جگہ کہتے رہے، جہاں اس کی ضرورت تھی، مثلاً تفہیمات جلدسوم کے آخری صفحے پر ان کی یہ ہدایت آج بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے کہ:

> اسلامی تحریک کے کارکنوں کو میری آخری نصیحت یہ ہے کہ انھیں خفیہ تحریکیں چلانے اور اسلحے کے ذریعے انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ یہ بھی بے صبری اور جلد بازی ہی کی ایک صورت ہے، اور نتائج کے اعتبار سے دوسری صورتوں کی نسبت زیادہ خراب۔ ایک صحیح انقلاب ہمیشہ عوامی تحریک کے ذریعے برپا ہوتا ہے۔ کھلے بندوں عام دعوت پھیلایئے۔ بڑے پیانے پر اذہان اور افکار کی اصلاح کیجیے، لوگوں کے خیالات بدلیے، اخلاق کے ہتھیاروں سے دلوں کو مسخر کیجیے۔ اس طرح بتدریج جو انقلاب برپا ہوگا، وہ ایسا پایدار اور مستحکم ہوگا جسے مخالف قوتوں کے ہوائی طوفان محو نہ کرسکیں گے۔ جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے کوئی انقلاب رونما ہو بھی جائے تو جس راستے سے وہ آئے گا، اسی راستے سے مٹایا بھی جاسکے گا۔

○ **تحریک اسلامی کی اصل ذمہ داری:** مولانا مودودیؒ اپنی اس رائے پر اپنی زندگی کے آخری مراحل تک پوری طرح قائم رہے۔ چنانچہ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں جماعت اسلامی کی ناکامی کے تناظر میں جب ۱۹۷۴ء میں نوجوانوں کے ایک اجتماع میں ان سے پوچھا گیا کہ ''جماعت اسلامی ۳۰، ۴۰ سال کی مسلسل کوششوں کے باوجود اقتدار حاصل نہ کرسکی اور پاکستان پیپلز پارٹی چند سال کے اندر ہی اقتدار تک پہنچ گئی اور آج وہ ملک کے سیاہ و سفید کی مالک ہے۔ کیا یہ بات تحریک اسلامی کی غیر مقبولیت کا ثبوت نہیں؟'' تو انھوں نے جواب دیا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت اسلامی کو سچائی نے شکست نہیں دی' جھوٹ نے شکست دی ہے۔ جماعت اسلامی اگر سچائی سے شکست کھاتی تو فی الواقع اس کے لیے شدید ندامت کا مقام تھا۔ لیکن چونکہ اس نے جھوٹ سے شکست کھائی ہے اس لیے اس کا سر فخر سے بلند ہے۔ وہ جھوٹ کے مقابلے میں جھوٹ نہیں لائی۔ وہ بداخلاقی کے مقابلے میں بداخلاقی نہیں لائی۔ اس نے سڑکوں پر رقص نہیں کیا۔ اس نے غنڈوں کو منظم نہیں کیا۔ اس نے برسرعام گالیاں نہیں دیں۔ اس نے لوگوں سے جھوٹے وعدے نہیں کیے۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ جھوٹے وعدوں کے فریب میں لوگ مبتلا ہو رہے ہیں۔ کچھ لوگ [مجھ سے] کہہ رہے تھے کہ: ''کچھ نہ کچھ آپ کو بھی کرنا چاہیے۔ لیکن میں اس زمانے میں برابر لوگوں سے کہتا رہا کہ چاہے آپ کو ایک نشست بھی نہ ملے لیکن آپ سچائی کے راستے سے نہ ہٹیں۔ وہ وعدہ جسے آپ پورا نہ کر سکتے ہوں وہ آپ نہ کیجیے۔ کوئی ایسا کام نہ کیجیے جس سے خدا کے ہاں آپ پر یہ ذمہ داری آجائے کہ آپ بھی اس قوم کے اخلاق بگاڑ کر آئے ہیں۔ آپ بھی اس قوم کو جھوٹ' گالی گلوچ اور دوسری اخلاقی برائیوں میں مبتلا کر کے آئے ہیں۔ جو ذمہ داری آپ پر آتی ہے وہ یہ ہے کہ جو اللہ اور رسولؐ کا بتایا ہوا راستہ ہے' اس کے مطابق کام کریں۔ آپ نے کوئی ٹھیکہ نہیں لیا ہے کہ اس ملک کے اندر ضرور ہی اسلامی نظام قائم کریں گے۔ اسلامی نظام کا قیام تو اللہ کی تائید اور توفیق پر منحصر ہے' اور اس قوم کی صلاحیت اور استعداد پر منحصر ہے' جس کے اندر آپ کام کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو اس قابل سمجھتا ہے یا نہیں کہ اس کو اسلامی نظام کی برکتوں سے مالا مال کرے' یا ان کو تجربوں کی ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دے جن کی ٹھوکریں وہ آج کھا رہی ہے۔ آپ کا کام اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقے پر چل کر محنت کرنا ہے' جان کھپانا ہے۔ اس میں اگر آپ کوتاہی کریں گے تو ماخوذ ہوں گے۔ اس میں اگر آپ کوتاہی نہیں کرتے تو خدا کے ہاں کامیاب ہیں خواہ دنیا میں کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔ (تصریحات' ص ۲۷۷-۲۷۸)

○ **علمی و فکری انقلاب: غلبۂ اسلام کی واحد راہ**: یہ بات واضح ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوری دنیا کو اسلام کی دعوتِ عام سے پہلے پاکستان میں انتخابی اور سیاسی طریقوں سے مطلوبہ معاشرتی تبدیلی کے لیے جدوجہد کو اولیت دینے کا جو فیصلہ مولانا مودودیؒ کی قیادت میں کیا گیا، اس کے پیچھے بھی اصل خیال یہی تھا کہ ماڈل اسلامی ریاست کے قیام سے دنیا کے لیے اس نظام کو سمجھ کر قبول کرنے کی راہ ہموار ہوسکے گی۔ یہ بات ایک تدبیر کے طور پر اگرچہ درست تھی، لیکن چونکہ پاکستان کا قیام کسی شعوری اسلامی تحریک کے بجاے مسلم قومیت کی جذباتی تحریک کا نتیجہ تھا، لہٰذا یہاں نہ قیادت کسی حقیقی اسلامی ریاست کے قیام کے لیے تیار تھی اور نہ عوام ہی اس کے تقاضوں سے آگاہ تھے۔ نتیجہ یہ کہ یہاں اسلامی نظام کا قیام نصف صدی گزر جانے کے بعد بھی عمل میں نہ آسکا اور دینی و لادینی قوتوں کے درمیان رسہ کشی آج بھی جاری ہے۔ اس کے باوجود یہ جدوجہد اپنی جگہ انتہائی اہم ہے اور اسے جاری رہنا چاہیے، تاہم چونکہ ساری توجہ اسی پر مرتکز ہو جانے کی وجہ سے اسلامی تحریک کی دل چسپیوں کا دائرہ عملی طور پر رفتہ رفتہ صرف پاکستان اور زیادہ سے زیادہ عالم اسلام اور مسلمانوں کے مسائل تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، اور پوری انسانی برادری کو یکساں طور پر اور مکمل غیر جانبداری کے ساتھ اللہ کی طرف بلانے کا کام نہیں ہو پا رہا ہے جس کی وجہ سے اس کے پروگرام میں غیر مسلم دنیا کو اپنے لیے کوئی کشش نظر نہیں آتی۔ اس لیے مقامی سطح پر نفاذ اسلام کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ مولانا مودودیؒ کی ہدایت کے مطابق تحریک اسلامی کے دائرہ کار کو پوری انسانی برادری تک وسعت دینے کا پروگرام مرتب کیا جانا اور روبہ عمل لایا جانا چاہیے۔

مولانا مودودیؒ کے ہاں سے جو رہنمائی ملتی ہے اس کی رو سے دنیا سے غیر اللہ کی حاکمیت کے خاتمے اور اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت کے قیام کا یہ کام، عالمی سطح پر ایک علمی و فکری انقلاب برپا کر کے ہی انجام دیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں: ''اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم اب بھی اسلام کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمان رہنا چاہتا ہے لیکن دماغ مغربی افکار اور مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر اسلام سے منحرف ہو رہے ہیں، اور یہ انحراف بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ سیاسی غلبہ و استیلا سے قطع نظر، مغرب کا علمی و فکری دبدبہ اور تسلط دنیا کی ذہنی فضا پر چھایا ہوا ہے، اور اس نے نگاہوں کے زاویے اس طرح بدل دیے ہیں کہ دیکھنے والوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے مسلمان کی نظر سے دیکھنا اور سوچنے والوں کے لیے اسلامی طریق پر سوچنا مشکل ہو گیا ہے۔ یہ اشکال اس وقت تک دور نہ ہوگا' جب تک مسلمانوں میں آزاد اہل فکر پیدا نہ ہوں گے........اب اگر اسلام دوبارہ دنیا کا رہنما بن سکتا ہے تو اس کی بس یہی ایک صورت ہے کہ مسلمانوں میں ایسے مفکر اور محقق پیدا ہوں جو فکر ونظر اور تحقیق واکتشاف کی قوت سے اُن بنیادوں کو ڈھادیں جن پر مغربی [لادینی] تہذیب کی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ قرآن کے بتائے ہوئے طریق فکر ونظر پر آثار کے مشاہدے اور حقائق کی جستجو سے ایک نئے نظام فلسفہ کی بنیاد رکھیں جو خالص اسلامی فکر کا نتیجہ ہو۔ ایک نئی حکمت طبیعی (نیچرل سائنس) کی عمارت اٹھائیں جو قرآن کی ڈالی ہوئی داغ بیل پر اٹھے۔ ملحدانہ نظریے کو توڑ کر الٰہی نظریے پر فکر وتحقیق کی اساس قائم کریں اور اس جدید فکر وتحقیق کی عمارت کو اس قوت کے ساتھ اٹھائیں کہ وہ تمام دنیا پر چھا جائے اور دنیا میں مغرب کی مادّی تہذیب کے بجاے اسلام کی حقانی تہذیب جلوہ گر ہو''۔ (تنقیحات' ص:۱۹-۲۰)

○ **وقت کا اصل تقاضا:** دراصل یہی وہ راستہ ہے جسے اختیار کر کے دنیا کو یہ حقیقت باور کرائی جاسکتی ہے کہ اسلام تمام نوع انسانی کو ظلم اور بے انصافی سے نجات دلانے اور عزت وشرف اور فلاح وترقی کی حقیقی شاہراہ پر گام زن کرنے والا واحد نظام زندگی ہے اور کسی مخصوص انسانی گروہ کے مفادات کا تحفظ اس کا مقصود نہیں ہے۔ اس طرح پوری دنیا کے انسانوں کے دلوں کے دروازے دعوت اسلامی کے لیے کھلنے کے امکانات روشن ہو سکتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ جس معاشرتی تبدیلی کا پرچم لے کر اٹھے تھے' اس راستے کو اختیار کیے بغیر اس کے وقوع پذیر ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ مادّی وسائل میں ساری کم تری کے باوجود عقیدے اور فکر کا یہ میدان وہ ہے' جس میں دنیا کی کوئی طاقت اسلام کو شکست نہیں دے سکتی۔ مغرب کی مادّی تہذیب پر اس میدان میں اسلام کو یقینی برتری حاصل ہے۔ وہ انسانیت کے مسائل کو حل کرنے' ظلم کو ختم اور انصاف کو قائم کرنے میں قطعی ناکام ہو چکی ہے اور اپنے ہی تضادات کا شکار ہو کر تیزی سے روبہ زوال ہے۔ یہ تہذیب قرآن کی روشنی میں کی گئی تنقید کا مقابلہ کرنے کی ہرگز سکت نہیں رکھتی۔

اس کام کو شروع کرنے کے لیے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ مسلمان پہلے سائنس اور ٹکنالوجی میں جدید مادّہ پرست قوتوں کے ہم پلہ ہو جائیں' صنعت وحرفت میں ان کی برابری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے لگیں اور فوجی طاقت میں ان کی ٹکر پر آجائیں۔ مولانا مودودیؒ کے بقول اس کام کا آغاز تمام وسائل سے محروم پوری دنیا میں ایک اکیلا شخص بھی کرسکتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ وقت کی نمرودی اور فرعونی تہذیبوں کو چیلنج کرنے کا یہ کام ہمیشہ ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام جیسے ظاہری دنیاوی وسائل سے سراسر محروم انسانوں ہی نے کیا ہے۔ البتہ آج کی اسلامی تحریکوں کو یہ کام کرنے کے لیے اپنے آپ کو عملاً محض مسلمانوں کے قومی مفادات کی وکالت اور اس سلسلے میں دوسری اقوام کے ساتھ ان کے تنازعات میں جانبداری سے بالاتر ہونا پڑے گا۔ کیونکہ ایسا نہ کرنے کا مطلب مولانا مودودیؒ کے الفاظ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم "وسیع تر انسانیت کو اپیل کرنے کا دروازہ خود ہی بند کردیں"۔ اس حوالے سے اپنے مشہور مقالے اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟ میں وہ کہتے ہیں:

> اصولی حکومت کے تخیل کی تو بنیاد ہی یہ ہے کہ ہمارے سامنے قومیں اور قومیتیں نہیں، صرف انسان ہیں۔ ہم ان کے سامنے ایک اصول اس حیثیت سے پیش کرتے ہیں کہ 'اسی پر تمدن کا نظام اور حکومت کا ڈھانچا تعمیر کرنے میں ان کی فلاح ہے' اور جو اس کو قبول کرلے وہ اس نظام کو چلانے میں برابر کا حصہ دار ہے۔ غور کیجیے اس تخیل کو لے کر وہ شخص کس طرح اٹھ سکتا ہے جس کے دماغ، زبان، افعال اور حرکات، ہر چیز پر قومیت اور قوم پرستی کا ٹھپہ لگا ہوا ہو۔ اس نے تو وسیع تر انسانیت کو اپیل کرنے کا دروازہ خود ہی بند کردیا، پہلے ہی قدم پر اپنی پوزیشن کو آپ غلط کرکے رکھ دیا۔ قوم پرستی کے تعصب میں جو قومیں اندھی ہو رہی ہیں، جن کے لڑائی جھگڑوں کی ساری بنیاد ہی قوم پرستی اور قومی ریاستیں ہیں، ان کو انسانیت کے نام پر پکارنے اور انسانی فلاح کے اصول کی طرف بلانے کا آخر یہ کون سا ڈھنگ ہے کہ ہم خود اپنے قومی حقوق کے جھگڑوں سے اس دعوت کی ابتدا کریں؟ (تحریک آزادی ہند اور مسلمان، ج ۲، ص ۱۶۶)

○ **اعترافِ حق کی منزل قریب ہے:** حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے حالات بندگیِ رب کی دعوت کی اشاعت اور قبولیت کے لیے جتنے آج سازگار ہیں، انسانی تاریخ کے کسی دور میں نہیں رہے۔ ہر نبی کے دعوت کی راہ میں عموماً سب سے بڑی رکاوٹ تقلید آبا کا روگ ہوتا تھا۔ لوگ

© rasailojaraid.com